پروفیسر وائی۔ ایس۔ طاہر علی

اساسُ التّاوِیلْ

تالیف :۔ نامور اسماعیلی فقیہ قاضیؔ نعمانؔ

(یہ مضمون اس مقدمہ کا ترجمہ ہے جو ایک فاضل بنام عارف تامر نے چوتھی صدی ہجری کے نامور اسماعیلی فقیہ قاضی نعمان کی کتاب اساس التاویل کے شروع میں لکھا ہے۔ کتاب اساس التاویل کو انھوں نے دو نسخوں سے مقابلہ کرکے نشر کیا ہے۔ کتاب کا ایک نسخہ انھیں مصیاف (کوریا) میں ہاتھ لگا۔ جو ۱۳۱۸ھ میں نقل کیا گیا تھا۔ اور دوسرا نسخہ انھیں کمپالا (یوگنڈا) میں ایک دوست نے جن کا نام حکیم لقمان ہے ۱۹۵۶ء میں ان کو بطور ہدیہ پیش کیا۔ یہ دوسرا نسخہ ۱۰۳۳ھ میں نقل کیا گیا تھا۔ فاضل موصوف نے ۱۹۶۰ء میں بیروت سے اسے شائع کیا۔ یہ کتاب اسمٰعیلی دعوت کی ایک کتاب ہے۔

مقدمہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل موصوف نے ایک ہی بات کئی جگہ دہرائی ہے اور نہایت عقیدت مندانہ طور پر اسے لکھا ہے۔)

اس کتاب (اساس التاویل) کو مطبع میں بھیجنے سے قبل میں نے کافی پس وپیش کیا، اس کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ میں چاہتا تھا کہ یہ کتاب بھی مثل اور کتابوں کے پردۂ راز میں رہے۔ کیونکہ ان کی نشر و اشاعت کا وقت ابھی نہیں آیا۔ دوسری وجہ یہ

تھی کہ اس سے قبل کچھ اور قلمی کتابیں اگرچہ وہ کم پایہ کی ہوں نشر ہونی چاہئیں تاکہ وہ اس کتاب کے سمجھنے کے لئے راہ ہموار کریں اور بہت سی ضروری معلومات فراہم ہوجائیں۔

جب کبھی لفظ تاویل کا خیال میرے دل میں گزرا، میں نے خیال کیا کہ اس موضوع پر اساس التاویل کے سوا اور کوئی کتاب نظر نہیں آتی۔ یہی ایک کتاب ہے جو اس موضوع پر معقول اور مدلل بحث کرتی ہے اور اس موضوع پر کافی روشنی بہم پہنچاتی ہے۔ اسے "تاویل" اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ انسانی دماغ کو اصل کی طرف لوٹاتی ہے۔ اس کا ماخذ آلَ یَئُوْلُ اَوْلاً و مآلاً ہے، جس کے معنی لوٹنے کے ہیں۔ ہر بات کا مآل اس کا خلاصہ یا نحوی ہوتا ہے۔

اسماعیلی دعوت کی تاریخ کے ابتدائی دور میں اور اس کے عہد شباب میں تمام باطنی نظریات کے لئے تاویل ایک بنیادی موضوع رہا ہے۔ یعنی وہ ایک بیج تھا جس کی نشو و نما ہوئی، وہ پھولا پھلا اور اس میں سے کئی شاخیں نکلیں۔ یا یوں کہئے کہ وہ ایک بنیاد تھی جس پر اس دعوت کے نظریاتی ستون کھڑے کیئے گئے یا ایک غذا تھی جو علم الحکمت و علم المنطق و علم البیان سے تیار کی گئی۔ بنا براں اساس التاویل کی ان کے نزدیک بڑی اہمیت ہے۔ وہ عقائد کو مخفی رکھنے کی اور غیروں سے پردہ داری کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔ اس کتاب میں صحفِ سماوی یعنی تورات، انجیل اور قرآن میں مذکور انبیاء علیہم السلام کے قصوں کی تاویل ہے۔ لہذا یہ ایک ایسا موضوع ہوا جسے مخفی رکھنا ضروری تھا تاکہ عامۃ الناس کی دسترس سے باہر رہے جو صرف ظاہری باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔

اسماعیلوں کے ہاں "تاویل" صحیح معنی میں تفسیر سے مختلف ہے۔ تفسیر کا مقصد تو مشکل الفاظ کی معانی کو صاف صاف لفظوں میں بیان کرنا ہوا۔ مثلاً اگر کوئی ہم سے لفظ "شجرۃ" کی تفسیر پوچھیں تو ہم کہیں گے کہ وہ شروع شروع میں ایک پودا ہوتا ہے جس کی نشو و نما کی جاتی ہے۔ وہ وقت کے ساتھ بڑھتا ہے اور اس کا ایک تنہ ہوتا ہے جس سے کئی شاخیں نکلتی ہیں اور ان پر سبز پتے پھوٹتے ہیں۔ موسم بہار میں

اس میں پھول لگتے ہیں جو کچھ عرصہ بعد پھل میں تبدیل ہو جاتے ہیں - وغیرہ وغیرہ -
لیکن اگر ہم سے کوئی اس کی تاویل دریافت کرے تو ہم کہیں گے کہ یہ تاویل جواب دینے والے کی صواب دید پر ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ شجرہ ایک پتھر ہے یا گائے ہے یا چٹان ہے یا ایسی چیز ہے جو عقل سے مطابقت رکھتی ہو اور اس کے سوچنے میں یا تصدیق کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوتی ہو۔ پس "تاویل" کسی لفظ کا باطنی معنیٰ ہوتی ہے۔ جو اس لفظ سے پرے ہے۔ چنانچہ اسماعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ ناطق یعنی نبی کا کام کلام اللہ کی تفسیر کرنا ہے اور اماموں کا کام ان کی تاویل کرنا ہے۔ اول الذکر اپنی شریعت اور اس کے احکام اور ظاہری قانون بتاتے ہیں اور مؤخر الذکر ان کی تاویل یعنی فلسفہ اور باطن بتاتے ہیں۔

یہ امر مسلّم الثبوت ہے کہ اسماعیلیوں نے چند علوم اپنے ائمہ کے لئے مخصوص کر رکھے ہیں اور تاویل کا تعلق بھی انھی علوم سے ہے۔ اسی وجہ سے وہ باطنیہ کہلاتے ہیں انھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب تنزیل اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کو صاحب تأویل قرار دیا ہے۔ بالفاظ دیگر ان کا خیال ہے کہ قرآن مجید اپنے الفاظ کے ظاہری معنیٰ کے ساتھ محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ لیکن تاویل کے سربستہ اسرار اور رموز حضرت علیؓ اور ائمہ معصومین کے لئے مختص ہوئے۔ اس کی تائید میں کلام اللہ شریف کی چند آیات بیان کی جاتی ہیں۔ مثلاً وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ - یعنی "اسی طرح تمہارے رب نے تم کو برگزیدہ کیا اور احادیث کی تاویل سکھائی"۔ یا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ۔ "اور ہم نے اسی طرح یوسفؑ کو طاقتور بنایا اور ہم نے اس کو احادیث کی تاویل سکھائی"۔ یا پھر سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا - "میں تم کو اس بات کی تاویل بتاؤں گا جس پر تم صبر نہ کر سکے"۔ یا پھر هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ

فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ یعنی اس نے تم پر کتاب نازل کی۔ اس کتاب کی بعض آیات محکم ہیں جو اصلی مدار ہیں۔ اور بعض ان میں سے متشابہ ہیں۔ پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس چیز کی پیروی کرتے ہیں جو شبہ ڈالتی ہے گمراہی چاہنے کے لئے اور اس کی تاویل چاہنے کے لئے۔ اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ اور ان لوگوں کے جو علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ تمام باتیں ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔ اور بجز عقلمند کوئی عبرت نہیں لیتا۔

اسماعیلی علماء تاویل کی اہمیت کے متعلق چند عقلی دلائل بھی پیش کرتے ہیں جو کلام اللہ شریف سے ماخوذ ہیں مثلاً سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ یعنی ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق وانفس میں دکھائیں گے۔ یا پھر وَفِی الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ یعنی زمین میں یقین رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہاری جانوں میں بھی۔ پھر تم کیوں نہیں دیکھتے؟

ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ ظاہر کا وجود باطن کی طرف راستہ دکھاتا ہے اور اسی باطن کو وہ "ممثول" کہتے ہیں۔ ظاہر کو "مثل" ہوا۔ مؤید فی الدین[1] جو ان کے داعی الدعاۃ ہیں اور بہت بڑے فلسفی مانے گئے ہیں۔ اس بارے میں اپنے ایک قصیدہ[2] میں کہتے ہیں۔

---

[1] ان کا پورا نام ہبۃ اللہ ہے اور ان کا لقب المؤید فی الدین ہے۔ ۴۷۰ھ میں وفات پائی اور قاہرہ میں مدفون ہوئے۔ ان کی تصانیف کئی ہیں۔ اُن میں سے مشہور یہ ہیں:

۱۔ سیرۃ المؤیّد فی الدین

۲۔ دیوان المؤیّد فی الدین

۳۔ المجالس المؤیّدیّہ

۴۔ بنیاد تاویل جو اساس التاویل کا فارسی ترجمہ ہے اور اس کی ایک کاپی راقم الحروف کے پاس ہے (مترجم)

[2] دیوان المؤید۔ القصیدۃ المؤیدیہ تحقیق محمد کامل حسین۔ (مترجم)

اقصد ممثولہ دون المثل ذا ابر النحل وھذا کالعسل

(مطلب: مثل کو چھوڑ کر ممثول کی جانب رُخ کر۔ ایک شہد کی مکھی کا ڈنک ہے اور دوسرا شہد خالص ہے۔)

یہ تمام باتیں ہمیں اسکندریہ کے قدیم شہر کی طرف لے جاتی ہیں جہاں فیلون[۱] اور اس کے شاگردوں نے تورات کی باطنی طور پر تاویل کرنی چاہی لیکن انھیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اسی طرح سینٹ[۲] اوغسطین اور ان کے شاگرد اور ہم خیال لوگوں نے انجیلِ مقدس کی تاویل کرنا چاہی لیکن انھیں بھی کئی اسباب کی وجہ سے (جن کا ذکر طولانی ہوگا) ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اسماعیلوں نے اپنے زمانہ میں اپنے نظریات اور تصورات کی اشاعت کی۔ انھوں نے "تاویل" کے طریق کار کو استعمال کیا اور اپنے فکر و نظر سے ان کی جلا کی۔ اور نقل و تقلید کی اس طرح چمن آرائی کی کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسلامی اصول اور قوانین کو سمجھنے میں پختہ کار ہیں۔ انھوں نے باطن کی حمایت میں بحث و مباحثہ کیا اور ساتھ ہی ظاہر کو بھی سنبھالا۔ ان کی نظر میں ظاہر بغیر باطن کے ناقابلِ قبول ہے اور باطن بغیر ظاہر کے بے سُود ہے۔ ظاہر اور باطن مثل جسم اور رُوح ہیں۔ اور دونوں کے مرکب ہونے سے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور کائنات کی غرض و غایت کی شناخت ہوتی ہے۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں ناطق یعنی نبی اپنی زندگی میں تنزیل کا کام سرانجام دیتے ہیں جو ظاہری علم ہے یعنی احکام شرع اور جس کا جاننا کافۃ الناس کے لئے ضروری ہے۔ رہے امام یا "اساس"، تو وہ باطن یعنی تاویل اور حقیقت اور ان سے متعلقہ رازہائے سربستہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان رازہائے سربستہ پر عبور حاصل کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ دعوت کے چند اخلاص و صفا والے لوگ ہی ان کو حاصل کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں۔

۱؎ فیلون ۲۰ ق م ۔ ۴۰ء (مترجم)

۲؎ سینٹ اوغسطین (۳۵۴ء ۔ ۴۳۰ء) ان کی کتاب مدینۂ الٰہیہ بہت اہم مانی جاتی ہے۔ (مترجم)

ہمیں معلوم ہے کہ نعمان بن حیون نے ان دو باہمی نظریوں کی بناء پر دو الگ الگ کتابیں لکھی ہیں ایک اساس التاویل ہے اور دوسری دعائم الاسلام - اول الذکر کتاب میں باطنی فلسفہ کی بنیاد ہے، اور ثانی الذکر میں فقہ اور شریعت کے احکام ہیں جو امام جعفر الصادق[1] نے اپنے نانا نبی محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کئے ہیں۔ چنانچہ کتاب اساس التاویل کی اہمیت ان تمام باتوں سے ثابت ہوتی ہے - اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیلیوں کی باطنی تعلیم درجہ بدرجہ ہوا کرتی ہے اور ہر مستجیب پر فرض تھا کہ وہ ان مدارج سے گزرے۔

ہاں - تو یہ طے پایا کہ اسماعیلیوں نے قرآن پاک کی آیات کی تاویل پر خصوصی طور پر دھیان دیا - جب کہ دوسرے فرقوں نے صرف تفسیر پر اکتفا کیا۔ یہ امر ان مفسروں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے جو محمد بن جریر الطبری[2] سے پہلے ہو گزرے ہیں - محمد بن جریر الطبری کی تفسیر جامع عالمِ اسلام میں مقبول عام ہے اور اپنے نظریات اور افکار میں صائب مانی گئی ہے -

ہم پھر نفسِ مضمون کی طرف لوٹتے ہیں اور دُہراتے ہیں کہ اس فلسفہ کے اصلی ماخذ کو حاصل کرنا نہایت مشکل کام ہے اور جب تک کہ ابتدائی کتابیں نہ ملیں اس فلسفہ کے رازہائے سربستہ کی تہ تک پہنچنا بھی دشوار گزار ہے - بے شک "اساس التاویل" ایک اصلی ماخذ ہے جسے بغور پڑھنا اور سمجھنا چاہیئے - اس ضمن میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نعمان بن حیون نے فقہ، قانون، احکام، تاریخ اور تاویل پر متعدد کتابیں لکھی ہیں - لیکن جہاں تک ہم کو پتہ چلا ہے انھوں نے فلسفہ پر کوئی کتاب نہیں لکھی - ممکن ہے کہ یہ کام ان کے لئے ممنوع قرار پایا ہو کیونکہ اس زمانہ میں اس کام کے لئے جعفر

---

[1] امام جعفر الصادق نے ۱۴۸ھ میں وفات پائی - ان کی کتاب الجفر بہت مشہور ہے - (مترجم)

[2] محمد بن جریر الطبری نے ۳۱۰ھ میں وفات پائی - ان کی تفسیر نہایت مبسوط ہے - تمام اقوالِ ماثورہ کی جامع ہونے کے علاوہ معرکۃ الآراء مسائل میں محققانہ مباحث پر مشتمل ہے - اور تیس ۳۰ جلدوں میں مصر میں چھپ چکی ہے (مترجم)

بن منصور الیمن[۱] مامور تھے۔ لیکن یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ نعمان ان مفکروں میں سے ہیں جو دولتِ فاطمیہ کے نظریاتی اصول پر کاربند رہے۔ اس میں نہ کوئی مبالغہ ہوگا اور کوئی حیرت انگیز بات اگر ہم یہ کہیں کہ اسماعیلیوں نے اس میدان میں گوئے سبقت لی ہے۔ انھوں نے دولتِ فاطمیہ کے وجود میں آنے سے پہلے عالم اسلام کو بڑے علمی کارنامے دیئے ہیں۔ افسوس کہ وہ قیمتی سرمایہ زمانہ کی دستبرد سے نہ بچ سکا۔ صرف ایک کتاب "اخوان الصفا" ہم کو ملی ہے۔ بہت سی کتابیں جو اس مکتب خیال سے تصنیف و تالیف ہوئی تھیں، تلف ہوگئیں۔ اس زمانہ میں تاویل اور فلسفۂ عقائد کے لحاظ سے نہایت اہم تھے۔ لہٰذا ہم کو یہ پوچھنے کا حق ہے کہ فکر و نظر کے ان نتائج کا کیا حال ہوا؟ وہ کہاں گئے؟ اور اُن کے مصنفین کون کون تھے؟

ان سوالوں کے جوابات دینا مشکل ہے۔ درحقیقت یہ تصانیف اس عہد کی پیداوار ہیں جب آئے دن حوادث پیدا ہوتے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ کتابیں دعوت کے مرکز سلمیہ (شوریا) میں ہی بنو عباس، قرامطہ اور دوسرے حملہ آوروں کی وجہ سے برباد ہوگئی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم عبد السلام بن رغبان، دیک الجن، متنبیؔ اور معرّی کے بارے میں بہت کم معلومات رکھتے ہیں اور جویائے علم کی پیاس نہیں بجھا سکتے۔ بہرحال ہم یہاں اس امر کی طرف اشارہ کردینا کافی سمجھتے ہیں جس کا ذکر جعفر الحاجب نے اپنی "سیرۃ" میں (جسے مستشرق ایوانوف نے نشر کردیا ہے) بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ محمد المہدی باللہ جب سلمیہ سے مغرب (افریقہ) جارہے تھے تو راستے میں چند رہزنوں نے ان کی کتابوں کو جو ان کے ساتھ جارہی تھیں لُوٹ لیا۔ پھر اُن کے فرزند القائم بامر اللہ (الفاطمی) نے ان کتابوں کو اپنے عہد میں حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتابیں اُن کے نزدیک سونے، چاندی اور جواہرات سے بڑھ کر تھیں۔ مجھے تو یقین ہے کہ

---

[۱] جعفر بن منصور الیمن۔ یمن کے ایک داعی ہیں جو چوتھی صدی ہجری کے وسط میں تھے۔ ان کی مشہور کتابوں میں تاویل سورۃ النساء، تاویل الزکوٰۃ، کتاب الفرائض و حدود الدین، اسرار النطقاء اور سرائر النطقاء ہیں۔ (مترجم)

یہ سب کتابیں باطنی عقائد پر مشتمل تھیں اور ان کا موضوع فلسفہ اور تاویل تھا۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا زمانہ عالمِ اسلام میں اور عالمِ عرب میں بہترین زمانہ تھا۔ اسی زمانے میں اسماعیلی داعیوں نے تمام رسوم اور قیود سے آزاد ہوکر ایرانی، ہندوستانی اور یونانی علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنا شروع کیا۔ اور ان کے نظریات کی جو اسلامی عقائد سے مطابق رکھتے تھے اور جنھیں عقلِ سلیم گوارا کرتی تھی ترتیب و تدوین کی۔ یہ ان کی دعوت کا ابتدائی زمانہ تھا اور مباحثہ اور مناظرہ سے ان کی کوششوں کی گونج اقصائے عالم میں تھی۔ وہ ظاہری شریعت کے ارکان کے پابند تھے اور باطنی علم کی عبادت بھی ان کا شعار تھا۔ درحقیقت اسماعیلیوں نے سیاسی طور پر اور اجتماعی اور ذہنی محاذ پر زبردست کارنامے انجام دیئے ہیں جس کی نظیر ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملے گی۔ اتنا ہنگامہ خیز زمانہ کسی اور فرقہ کو شاید ہی نصیب ہوا ہو۔

بے شک بنو امیہ نے اندلس میں ادبیات کی بڑھ چڑھ کر خدمت کی اور اسی طرح بویہیوں نے اور حمدانیوں نے مشرق میں ادبی اور ثقافتی کارنامے انجام دیئے۔ لیکن یہ سب کچھ عشرِ عشیر بھی نہیں ہے بمقابلہ اس کام کے جو بنی فاطمیہ نے میدان ادب و ثقافت میں کیا ہے۔ بالخصوص المعزّ لدین اللہ الفاطمی کا عہد تاریخ اسلام میں بہترین سمجھا جاتا ہے۔ اس خلیفہ نے اپنی مملکت کے طول و عرض میں بڑی سوجھ بوجھ اور جوش و خروش سے کام لیا ہے۔ انھوں نے اپنی دعوت کی بنیاد کے لئے ایک نظریاتی نظام قائم کیا۔ اور خود اپنے داعی نعمان بن حیون کے ساتھ اس کام میں ہاتھ بٹاتے رہے۔ ان دونوں نے مل کر دو ایسی کتابیں تیار کیں جو علم فقہ اور فلسفہ میں بنیادی مانی جاتی ہیں۔ اُن میں ایک ظاہری شریعت پر محتوی ہے اور اس کا نام دعائم الاسلام ہے اور دوسری کا نام اساس التاویل ہے جو باطنی علم پر مشتمل ہے۔ اگر اول الذکر شریعت اور اُس کے احکام کی اصولی کتاب ہے، تو مؤخر الذکر فلسفہ اور روح کی بنیادی کتاب ہے۔

المعزّ لدین اللہ الفاطمی نے فلسفہ کی وجہ سے دولتِ فاطمیہ کو چار چاند لگا دیئے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی سابق امام نے یا کسی بعد میں آنے والے امام نے ایسی علمی

اور ادبی خدمت نہیں کی جیسی کہ المعزّ لدین اللہ نے کی ہے۔ ان کے عہد میں ثقافت اپنے اوج پر پہنچ چکی تھی۔ ادب کے بازار میں گہما گہمی تھی۔ اور شہر قاہرہ عالموں، ادیبوں اور فلسفیوں کے لیئے آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ خلیفہ خود ثقافت کے علمبردار تھے اور وہ بہت سی مروّجہ زبانیں مثلاً لاطینی، اطالوی اور ہسپانوی جانتے تھے۔ اپنی وسیع و عریض مملکت کی زبانوں سے بھی انھیں واقفیت تھی اور کیوں نہ ہو، یہ زبانیں ان کے لشکریوں کی اور سپہ سالاروں کی تھیں۔ ان کا ذوق شعروادب میں بھی اعلیٰ قسم کا تھا۔ مقریزی اور دیگر مؤرخین کا کہنا ہے کہ ان کے کتب خانہ میں بہت نادر کتابیں تھیں۔ وہ علمی مجالس منعقد کیا کرتے تھے اور علماء کے مناظرات سنتے تھے۔ علماء کی حوصلہ افزائی میں مال و زر بے دریغ خرچ کرتے تھے۔

نعمان بن محمد بن منصور بن احمد بن حیون جو اس کتاب کے مؤلّف ہیں، مغرب کی پیداوار ہیں اور قبیلہ بنی تمیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی لیکن تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۳۶۳ھ میں قاہرہ میں بعہد المعز لدین اللہ متوفی ہوئے۔ بیشک نعمان اُن لوگوں کے پیش رو ہیں جنھوں نے علم کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اور اسماعیلی دعوت کو بالخصوص اپنے علم سے مالامال کیا ہے اور اپنے اثرات کے نقوش نہ صرف مصر میں بلکہ تمام ممالکِ اسلامیہ میں انسانی دماغ پر چھوڑے ہیں۔ یہ کہنا مُبالغہ سے خالی ہوگا کہ نعمان ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک اسماعیلیوں کے مشہور ترین فقیہ ہو گزرے ہیں۔ وہ عبداللہ المہدی کی خدمت میں رہے اور القائم بامر اللہ کے عہد میں طرابلس الغرب میں قاضی کے عُہدہ پر مامور رہے۔ المنصوریہ کی مسجدوں میں ان کی ادبی نشستوں اور محاضرات نے لوگوں میں علم کا شوق پیدا کیا اور المعزّ لدین اللہ نے مصر کا رُخ کیا تو وہ بھی اپنے خاندان کے ساتھ مصر آئے تاکہ وہاں بھی اپنے علمی فیوضات سے لوگوں کو بہرہ ور کریں۔ اس مقام پر ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ مغرب میں نعمان کی ادبی خدمت کا کیا ہوا؟ کیا وہ زمانہ کی دستبرد سے نہ بچ سکی؟

بہرکیف اسماعیلیوں نے مسلمانوں میں نہایت احتیاط سے علمِ باطن کو مروّج کیا۔

درحقیقت یہ ان کے بنیادی اور فلسفیانہ نظام کا مُنتج تھا۔ ان کی نظروں میں دین ایک مسلسل ریاضت ہے جو انسان کو ایک درجہ سے دوسرے درجہ پر پہنچاتی ہے اور بالآخر وہ اس مقام کو حاصل کرلیتا ہے جہاں سے وہ یہ پہچان لیتا ہے کہ ہر جاندار چیز نے کون کون سے مراحلِ زندگی طے کئے ہیں اور وہ اپنے مبدع یعنی خالق سے جسے وہ غیر مجسّم خیالِ مطلق یا عقلِ اول یا نورِ اعلیٰ یا قدرتِ مطلقہ یا قلم یا سابق سے تعبیر کرتا ہے کیسے الگ ہوا۔ یہ دو باتیں ایسی ہیں جو انسانی دماغ میں یا انبیاء اور ائمہ وغیرہم کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات میں نمودار ہوتی ہیں۔ رہے عام لوگ تو ان میں وہ دماغ کہاں جو تمیز کرسکے۔ انھیں معرفت کے سرچشمہ سے سیرابی تو کجا دُوسری منزل تک رُشد وہدایت کا چراغ ہی میسّر نہیں۔

ان کی تعلیم میں کئی مدارج ہوتے ہیں، جن سے گزر کر انسان عقلی اور ادبی کمال کے اعلیٰ درجہ کو حاصل کرسکتا ہے جو حیاتِ انسانی کا اصلی مقصد ہے۔ اس کے حصول کے لئے اسے اپنے تمام قویٰ بروئے کار لانا ہے اور اسے پاکیزہ طینت اور مہذّب زندگانی اختیار کرنا ہے۔ اس کا کام ہے کہ عقلِ سلیم کی مدد سے اور نظریاتی اصول پر عمل پیرا ہوکر وہ ہر فردِ بشر کو انسانِ کامل یا حکیمِ مطلق کے درجہ کی رہنمائی کرے۔

الہام الرحمن فی تفسیر القرآن (عربی)

تالیف

مولانا امام عبید اللہ سندھیؒ

جلد اول ۵/-

جلد دوم ۶/۵۰

نوٹ:۔ پہلی جلد کے صرف چند نسخے باقی ہیں۔

ملنے کا پتہ: شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد۔ سندھ